OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

شبلی نعمانی کی "سیرت النبی": غزواتِ رسول کا منہج

Sīrat-un-Nabī by *Shiblī Nuʻmānī*: A Study of the Methodology in *Ghazwāt-e-Rasool*

Muhammad Farooq Khokhar
Doctoral Candidate Islamic Studies, University of Gujrat
Dr. Muhammad Nawaz
Associate Professor of Islamic Studies, University of Gujrat

Abstract

Signification of method and style cannot be denied in composition and compilation as it is the writing style of the writer which motivates the reader not only to read but also to memorize the text. Method is the standard judge and appraise the aptitude of a writer. It is not overstating to say that Allama Shiblī Nuʻmānī was a writer and researcher of sublime class. "Sīrat-un-Nabī" is speaking proof of his fantastic research quality as it is in perpetual determination to guide the sentient readers by illuminating the knowledge zones. Allama Shibli has composed the facts and figures in such a symmetric way which bestows "Sīrat-un-Nabī" with a prominent position among the other seat books of urdu. He specially described the Holy wars of Prophet (PBUH) in an inquisitive manner. His writing style has made the circumstances of the Holy wars sequential and full of excitement. He has not only described the circumstances of the Holy wars in detail but also answered the objections of orientalists and critics reasonably. Moreover, causes and motives of the Holy wars has also been clarified. His very this method makes him distinguished amid other seat writers. In this article, the personality of Allama Shibli Nomani, the brief introduction of his book "Sīrat-un-Nabī (SAW)" and the method of description of the Holy wars of the

CC BY

Holy Prophet (PBUH) have been discussed so that his writing style may be manifested for the readers. Keywords: Method and style, Allama Shibli Nomani, Sīrat-un-Nabī, Holy wars of the Holy Prophet (PBUH).

Keywords: Sīrat-un-Nabī, Shiblī Nu‘mānī, Methodology

تمہید

تصنیف و تالیف میں منہج واسلوب کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں، کیونکہ یہ لکھاری کا اندازِ تحریر ہی ہے جو قاری کو ناصرف پڑھنے بلکہ ازبر کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ منہج ہی وہ کسوٹی ہے جس سے صاحب تحریر کی علمی استعداد کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ علامہ شبلی نعمانی بلامبالغہ اعلیٰ وارفع درجہ کے لکھاری اور محقق تھے۔ آپ کی عمدہ تحقیقی صلاحیت کا منہ بولتا ثبوت سیرت النبی ﷺ کی صورت میں موجود ہے جو چرغِ علم وادب پر روشن آفتاب کی مثل جہانِ علم وادب کو ضیابار کرتے ہوئے رہروانِ ذوق کی رہنمائی میں مصروف ہے۔ علامہ صاحب نے سیرت النبی ﷺ میں حقائق وواقعات کو جس خوبصورتی سے قلم بند کیا ہے وہ اسے دیگر اردو کتب سیرت میں ممتاز کرتی ہے۔ علامہ صاحب نے بطورِ خاص غزواتِ رسول ﷺ کو بیان کرنے میں بہت عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ مولانا کے اندازِ تحریر نے واقعاتِ غزوات کو پر مغز اور جوش وجذبہ سے معمور کر دیا ہے۔ آپ نے غزوات کے حالات وواقعات کو ناصرف تفصیل سے بیان کیا ہے، بلکہ مستشرقین اور ناقدین کے اعتراضات کے بھی تسلی بخش جوابات دیے ہیں۔ علاوہ ازیں غزوات کے مقاصد اور اسباب کو بھی واضح کیا ہے۔ آپ کا یہی منہج آپ کو دیگر سیرت نگاروں سے ممتاز کرتا ہے۔ آرٹیکل ہٰذا میں علامہ شبلی نعمانی کی شخصیت، آپ کی کتاب سیرت النبی ﷺ کا اجمالی تعارف اور غزوات رسول کا منہج زیر بحث لایا گیا ہے، تاکہ قارئین کے سامنے آپ کے اندازِ تحریر کو عیاں کیا جاسکے۔

مصنف کا تعارف

مؤلف سیرت النبی ﷺ اپنی ابتدائی تحریروں میں اپنا نام محمد شبلی تحریر فرماتے تھے، لیکن حضرت نعمان بن ثابت المعروف امام اعظم ابو حنیفہؒ سے عقیدت ومحبت اور اپنے استاد مولانا محمد فاروق چڑیا کوٹی کے ایماواصرار پر شبلی نعمانی لکھنا شروع کر دیا، پھر یہی نام وجہ شہرت بن گیا۔ آپ کے والد کا نام شیخ حبیب اللہ تھا جو اپنے وقت کے کامیاب تاجر، خوشحال زمین دار اور نامور وکیل تھے۔ شبلی نعمانی بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے، دیگر بھائیوں میں مہدی حسن، محمد اسحاق اور جنید تھے اور ایک بہن بھی تھی جو شادی کے بعد ایام شباب میں ہی فوت ہوگئی تھی۔ مولانا شبلی نعمانی کی والدہ نہایت نفیس، سلیقہ شعار اور سمجھ دار خاتون تھیں، وہ صوم وصلوٰۃ کی پابند اور بلاناغہ نمازِ تہجد ادا کرنے والی تھیں۔ مولانا کو صبح سویرے اٹھنے کی عادت بھی اپنی والدہ سے پڑی تھی۔ وہ 1886ء کو وفات پاگئیں۔ مولانا نے والدہ کی یاد میں شبلی نیشنل سکول اور صدر المنازل نامی ایک حال تعمیر کروایا۔

پیدائش اور تعلیم وتربیت

مولانا شبلی نعمانی کی ولادت ذی قعدہ 1274ھ بمطابق مئی 1857ء میں اعظم گڑھ کے سکنہ بندول (جگہ کا نام) میں ہوئی۔ بقول سید سلیمان ندوی بندل ایک قصبہ کا نام ہے۔[1] مولانا کی پرورش بڑے ناز ونعم میں ہوئی۔ آپ بچپن ہی سے بہت ذہین وفطین تھے اور آپ کا حافظہ بھی بہت قوی تھا۔ گھریلو ماحول مذہبی ہونے کی وجہ سے دین کی طرف لگاؤ فطری تھا۔ آپ کے والدین نے آپ

کو علم دین کے لیے وقف کر دیا اور بڑی دھوم دھام سے مکتب میں داخل کروایا۔ مفتی محمد یوسف فرنگی محلی کے شاگرد حکیم عبداللہ جیر اجپوری اور ایک دوسرے استاد مولانا نذیر حسین دہلوی پہلے استاد مقرر ہوئے، علاوہ ازیں مولوی شکر اللہ صبر حدی سے بھی استفادہ کیا۔ مولانا کو کم عمری ہی سے ادبی ذوق تھا اور اشعار کو ازبر کرنا مشغلہ تھا، باقاعدہ تعلیم کا آغاز مدرسہ عربیہ اعظم گڑھ سے ہوا جہاں مولوی فیض اللہ سے عربی کی کتب پڑھیں۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا علی عباس چڑیا کوٹی اور مولانا ہدایت اللہ رامپوری کے نام بھی آتے ہیں، لیکن شبلی کے اصل استاد مولانا محمد فاروق چڑیا کوٹی ہی تھے، جن سے مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور معقولات میں ماہر ہو گئے۔ مدرسہ اعظم گڑھ میں کچھ عرصہ زیر تعلیم رہے اور قدیم روایات کے مطابق اکتساب فیض کے لیے دور دراز علاقوں کے سفر بھی کیے اور قابل قدر لوگوں سے علم کی پیاس بجھائی۔ 1291ھ میں آپ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے پاس لکھنؤ بھی گئے، مگر شرف تلمذ حاصل نہ کر سکے، مزید لکھنؤ سے رامپور مولانا ارشاد حسین کے پاس گئے اور ان سے اکتساب علم کیا، اس کے بعد دیوبند گئے، لیکن تعلیم حاصل نہ کر سکے، البتہ کتب خانہ سے استفادہ کیا۔ پھر لاہور آگئے یہاں پر مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے ادب عربی، علوم بلاغت اور قرآنِ کریم کی باریکیوں کا علم حاصل کیا، بعد میں دہلی میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے فن حدیث پڑھا اور سند حاصل کی۔ الغرض مولانا شبلی تقریباً چودہ سال تک مختلف مقامات سے تعلیم حاصل کرتے رہے اور پھر اپنے والد کے اصرار اور حکم پر قانون کی تعلیم بھی حاصل کی۔

مقام و مرتبہ اور کارہائے نمایاں:

ڈاکٹر محمد مبین سلیم رقم طراز ہیں: ''علامہ شبلی نعمانی معتبر عالم، سیرت نگار، ادیب اور شاعر ہیں''۔[2] ☆ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی علامہ شبلی کے بارے میں لکھتے ہیں: ''علامہ شبلی جدید اردو سیرت نگاری کے امام ہیں''۔[3] یوں تو مولانا شبلی کی پوری زندگی خدمت خلق اور درس و تدریس میں گزری، مگر چند کارہائے نمایاں ایسے بھی ہیں جو ان کی اپنی قوم کے ساتھ دلی وابستگی اور ہمدردی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں: 1908ء میں وقف علی الاولاد کا قانون حکومت ہند سے منظور کروایا۔ ☆ مسلمان سرکاری افسروں کے لیے نماز جمعہ کی تعطیل منظور کروائی۔ ☆اوقاف اسلامی کی تنظیم کے لیے زندگی بھر کوشش کی۔ ☆ مولانا شبلی کا ایک عظیم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اشاعت اسلام کے لیے بھی پوری جگر کاوی کے ساتھ مساعی کی اور کامیابیاں حاصل کیں۔[4]

تصانیف

مولانا شبلی نعمانی نے اپنے ذوق علم اور خداداد صلاحیتوں کی بدولت تحقیق و تصنیف کے ایسے چراغ روشن کیے جن کی لو میں لاکھوں تشنگان علم کی تشنہ لبی کی سیرابی ممکن ہوئی۔ مولانا کی تصانیف ان کو محقق، مؤرخ، سیرت نگار، ناقد، شاعر، ادیب، متکلم، مبصر، مفکر اور عالم ربانی ثابت کرتی ہیں۔ مولانا کی تحریر فرسودہ نہیں بلکہ تمام تر مقبول، متداول، زندہ و تابندہ، رجحان ساز اور علمی شاہکار ہے۔ ان کو اپنے اثرات و وسعت کے اعتبار سے وہ شہرت دوام حاصل ہوئی ہے جو کسی اور کی تحریر کو نہیں ملی، جب تک اردو ادب زندہ رہے گا ان کی کتب اردو زبان کو تازگی بخشتی رہیں گی۔ اپنی پہلی تصنیف کے بارے میں مولانا خود فرماتے ہیں: ''میری سب سے پہلی تصنیف عربی زبان میں ایک چھوٹا سا رسالہ ''اسکات المعتدی'' نام ہے، لیکن چونکہ وہ عربی زبان میں تھا اور ایک جزئی مسئلہ پر تھا اس لیے وہ چنداں شائع نہیں ہوا، اس کے بعد سب سے پہلی تصنیف ''مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم'' ہے، وہ بہت پھیلی اور بار بار چھپی''۔[5] ☆ علی گڑھ میں ملازمت کے دوران مولانا نے سیرت نبوی ﷺ پر عربی زبان

میں ایک رسالہ بنام "بدء الاسلام" لکھا جس کا فارسی ترجمہ حمید الدین فراہی نے کیا اور اردو ترجمہ میمونہ سلطانہ نے "آغاز اسلام" کے نام سے کیا۔ ☆1887ء میں "صبح امید" منظر عام پر آئی۔ "المامون" ان کی مشہور اور با قاعدہ پہلی مستقل تصنیف ہے جو 1887ء میں شائع ہوئی، اس سے مولانا کی علمی وادبی ذوق کا شہرہ عام ہوا۔ 90۔1889ء میں "سیرۃ النعمان" تصنیف کی اور 1891ء میں شائع ہوئی۔ سفر نامہ "مصر و شام و ترکی" مفید عام آگرہ سے 1894ء میں چھپا۔ اسی دوران کلیات فارسی "نظم شبلی" کے عنوان سے چھپی۔ ان کے علاوہ 1898ء تک آپ کے بہت سے مضامین مختلف رسائل و جرائد کی زینت بنتے رہے۔ "الفاروق" 1899ء میں اور "الغزالی" 1902ء میں چھپ کر منظر عام پر آئیں۔ "علم الکلام" 1903ء میں آگرہ سے چھپ کر شائع ہوئی اور "الکلام" 1904ء میں رعد نامی پریس سے چھپ کر منصۂ شہود پر آئی۔ سوانح مولانا روم 1906ء میں چھپی، "موازنہ انیس و دبیر" قیام حیدر آباد دکن کے دوران لکھی گئی۔ بر صغیر کے مشہور مغلیہ خاندان کے بادشاہ "اورنگزیب عالمگیر پر ایک نظر" 1908ء میں منظر عام پر آئی۔ "شعر العجم" کی پانچ جلدوں میں سے پہلی جلد 1908ء میں شائع ہو گئی۔ باقی تین جلدیں بھی مولانا کی زندگی میں چھپ گئیں، مگر آخری پانچویں جلد ان کی وفات کے بعد شائع ہوئی۔ سیرت النبی ﷺ مولانا شبلی نعمانی کی سب سے مشہور کتاب ہے جس کا خیال ان کو قیام علی گڑھ کے زمانہ میں آیا تھا، مگر حالات واسباب نے اجازت نہ دی، تاہم سید سلمان ندوی کے مطابق مولانا 1323ھ میں سیرت پر کام شروع کر چکے تھے اور غزوہ احد تک لکھ بھی چکے تھے۔ مختصر یہ کہ انھوں نے اپنی وفات سے پہلے سیرت النبی ﷺ کی پہلی جلد مکمل کر لی تھی اور دوسری جلد بھی تقریباً لکھ چکے تھے جن کو بعد میں آپ کے شاگرد مولانا ندوی نے شائع کروایا۔ علاوہ ازیں مولانا ندوی نے مقالات شبلی کو آٹھ جلدوں میں موضوع وار چھپا دیا، جو مولانا شبلی کے ان مضامین و مقالات پر مبنی ہیں جو مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے تھے۔[6]

وفات

مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ ایسے اتفاقات رونما ہوئے جن سے مولانا کی صحت بہت متاثر ہوئی۔ بندوق چلنے کے حادثے کی وجہ سے ایک ٹانگ متاثر ہوئی، ذیابیطس (شوگر) کا مرض لاحق ہو گیا اور اس کے علاوہ ایک آنکھ کی بینائی بھی ختم ہو گئی۔ حیات شبلی میں سید سلمان ندوی نے خود مولانا شبلی کی زبانی لکھا ہے کہ: "ایک دن اپنے بنگلے شبلی منزل میں تھے، شبلی منزل میں ایک حصے میں لیچیوں کے درخت تھے، جہاں کوے آتے تھے، انہیں اڑانے کے لیے مولانا کے صاحبزادے نے بندوق رکھی ہوئی تھی۔ مولانا نے بندوق اٹھائی تو بہت وزنی تھی، مولانا نے بہو کو پکڑانی چاہی اسی دوران بندوق چل گئی جس کا نشانہ پاؤں بنا، چھروں سے ٹخنہ ٹوٹ گیا، بعد ازاں مصنوعی ٹانگ لگوائی"۔[7] آخر کار وقت اَجل آ پہنچا، مولانا شبلی نعمانی نے اس جہان فانی سے 28 ذوالحجہ 1332ھ بمطابق 18 نومبر 1914ء کو زندگی کی 57 بہاریں دیکھ کر انتقال فرمایا اور دار المصنفین اعظم گڑھ (بھارت) میں مسجد کے قریب مدفون ہوئے۔[8]

سیرت النبی ﷺ

اردو میں سیرت پر لکھی جانے والی کتب میں سیرت النبی ﷺ ممتاز مقام رکھتی ہے جو علامہ شبلی نعمانی اور ان کے شاگرد رشید سید سلمان ندوی کی مشترکہ تالیف ہے۔ یہ چھ ضخیم جلدوں اور ایک آخری مختصر ساتویں جلد پر مشتمل ہے۔ ابتدائی دو جلدیں علامہ شبلی کی تالیف ہیں اور باقی پانچ جلدیں سید سلمان ندوی نے ان کی وفات کے بعد لکھیں، اس کی تفصیل ڈاکٹر محمود احمد غازی نے اپنی کتاب محاضرات سیرت میں ان الفاظ میں بیان کی ہے:

"جب بستر مرگ پر تھے تو انھوں نے اپنے شاگردوں میں سے تین نمایاں حضرات کو تار دیئے اور ان کو بلا کے یہ سارا کام سپرد کرنا چاہا، تین شاگردوں میں ایک نے تو جواب ہی نہیں دیا، پتہ نہیں ان کو تار پہنچا کہ نہیں پہنچا، انھوں نے نہ کوئی جواب دیا نہ آئے۔ یہ تھے مولانا ابو الکلام آزاد، دوسرے شاگرد تھے مولانا حمید الدین فراہی جن کو پیغام یا تو دیر سے ملا یا خود دیر سے پہنچے۔ تیسرے شاگرد مولانا سید سلمان ندوی بروقت پہنچ گئے۔ اس وقت استاد زندہ تھے، استاد نے ہاتھ کے اشارے سے فقط اتنا کہا سیرت، سیرت، سیرت یہ کہہ کر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا اور گویا ان سے وعدہ لیا کہ سیرت پر کام کریں گے"۔[9]

مولانا شبلی نعمانی نے سیرت النبی ﷺ سے متعلق وہ تمام مواد اور مسودے جو انھوں نے اکٹھے کیے ہوئے تھے ان کو ایک بوری میں ڈال کر اپنے عزیزوں کو وصیت کی کہ: "یہ مسودے حمید الدین اور سید سلمان ندوی کے سپرد کر دیئے جائیں"۔[10] چنانچہ مولانا شبلی کی زندگی نے تو وفا نہ کی کہ وہ خود اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں مگر ان کے شاگرد مولانا سید سلمان ندوی نے اپنے استاد کے سونپے ہوئے کام کو انتہائی ذمہ داری اور خوش اسلوبی کے ساتھ مکمل کیا۔ سید سلمان ندوی وسطی ہندوستان میں پونا (قصبہ کا نام) کے کسی کالج میں استاد تھے۔ انھوں نے ملازمت کو خیر باد کہا اور استاد کے بنائے ہوئے مرکز میں بیٹھ کر مسلسل تیس برس تک سیرت النبی ﷺ پر کام کرتے رہے۔ مولانا شبلی کتاب کو چار جلدوں میں مکمل کرنا چاہتے تھے مگر ان کے لائق شاگرد نے سات جلدوں میں کتاب مکمل کی، جس کی پہلی جلد مولانا شبلی کی وفات کے تقریباً چار سال بعد 1918ء میں، دوسری 1920ء، تیسری 1924ء، چوتھی 1932ء، پانچویں 1935ء اور چھٹی جلد 1938ء میں منصۂ شہود پر آئیں، جب کہ ساتویں جلد کے صرف دو باب ہی مولانا ندوی لکھ سکے تھے اور اس طرح یہ آخری جلد طویل عرصہ بعد 1980ء میں مولانا معین الدین ندوی نے شائع کروائی۔[11] علامہ شبلی نعمانی کا منہج واسلوب کیا تھا، وہ کیسے سیرت لکھنا چاہتے تھے، اس کی وضاحت شبلی کے پہلے ہی جملے سے ہو جاتی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ: "عالم کائنات کا سب سے بڑا مقدم فرض اور سب سے زیادہ مقدس خدمت یہ ہے کہ نفوس انسانی کے اخلاق وتربیت کی اصلاح وتکمیل کی جائے"۔[12] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا اپنی سیرت کو اللہ کے رسول ﷺ کے اس فرمان کی شرح بنانا چاہتے تھے کہ: بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ[13] "میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں"۔ مولانا مزید لکھتے ہیں: "پہلے ہر قسم کے فضائل اخلاق، زہد وتقویٰ، عصمت وعفاف، احسان وکرم، حلم وعفو، عزم وثبات، ایثار ولطف، غیرت واستغناء کے اصول وفروع نہایت صحیح طریقہ سے قائم کیے جائیں اور پھر تمام عالم میں ان کی عملی تعلیم رائج کی جائے"۔[14] شبلی کے بقول عملی تعلیم، وعظ وپند، تصنیف وتالیف اور قانون کے ذریعے ہو سکتی ہے، مگر یہ سب طریقے جزوی اثر رکھتے ہیں، جب کہ مکمل اثر اندازی واثر پذیری کے لیے ضروری ہے ان اوصاف حسنہ کا عملی نمونہ پیش کیا جائے جو انبیاء علیہم السلام نے پیش کیا، گویا عملی نمونہ سامنے آگیا تو اس کے ذریعے وعظ وپند بھی ہو گیا، تصنیف کتب بھی ہوئیں اور قوانین بھی آئے۔ اب مولانا شبلی نعمانی کی تالیف کردہ سیرت النبی ﷺ کی پہلی دو جلدوں کا اجمالی تعارف پیش خدمت ہے اور مجلد اکٹھی پہلی دو جلدیں شائع کردہ شمع بک ایجنسی لاہور میرے ہاتھ میں ہے۔

سیرت النبی ﷺ کی پہلی جلد کے 275 صفحات ہیں، یہ مولانا شبلی نعمانی کی تالیف ہے۔ ابتدا میں دو مقدمات ہیں، پہلے مقدمہ کے 65 صفحات ہیں، اس میں سیرت نگاری کے فن کی ضرورت واہمیت، آغاز وارتقاء، معروف مصنفین وتصانیف نیز روایت ودرایت کے اصولوں پر بحث کی گئی ہے اور فن سیرت کی ابتدا کا تذکرہ کرنے کے بعد اس کا تاریخ، حدیث اور مغازی سے تعلق

پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور یورپین مصنفین کی غلط کاریوں کے اسباب اور یورپین تصنیفات کے اصول زیر بحث لائے گئے ہیں۔ دوسرا مقدمہ 23 صفحات پر مشتمل ہے، اس میں عرب کی قدیم معاشرتی، تہذیبی، تمدنی، مذہبی اور سیاسی تاریخ بیان کی گئی ہے، خانہ کعبہ کی تعمیر اور حضرت اسماعیلؑ کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے۔ ابتداء میں حضور ﷺ کا سلسلہ نسب، آباء واجداد، قصیٰ، ہاشم، عبدالمطلب اور حضرت عبداللہ کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کی ولادت سے تزویج حضرت خدیجہؓ اور دیگر خاص احباب کے احوال درج کیے گئے۔ بعد ازاں آنحضرت ﷺ کی بعثت ونبوت کے واقعات اور غزوات ومعاہدات کی تفصیل مذکور ہے اور اسلام کے اصول جنگ بیان کیے گئے ہیں۔ اس جلد میں مولانا نے نہ صرف صحیح واقعات کا اندراج کیا ہے، بلکہ مغربی اور مشرقی مصنفین کی غلط بیانیوں کی تردید بھی کی ہے۔ ☆ دوسری جلد 196 صفحات پر مبنی اور موضوعاتی تقسیم رکھتی ہے۔ اس میں نبوت کی تین سالہ پر امن زندگی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ابتدا میں قیام امن اور اشاعت اسلام کی کوششوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مقامات دعوت، مختلف وفود عرب کی آمد اور قبول اسلام سے لے کر تاسیس حکومت الٰہی، مذہبی انتظامات، عقائد اور اسلام کے اصول اولین، حجۃ الوداع، وفات، متروکات، شمائل نبوی ﷺ، معمولات نبوی ﷺ، مجالس نبوی ﷺ، خطابت نبوی ﷺ، عبادات نبوی ﷺ، اخلاق نبوی ﷺ اور ازواجِ مطہراتؓ کے علاوہ آپ ﷺ کی اولاد کے احوال مذکور ہیں۔ اس جلد میں سید سلمان ندوی نے مختلف عنوانات قیام امن، تبلیغ واشاعت اسلام اور تاسیس حکومت الٰہی کے تحت اضافہ بھی کیا ہے۔ خطابت نبوی ﷺ، عبادات نبوی ﷺ کے ابواب مکمل اور معمولات نبوی ﷺ اور مجالس کے ابواب میں بھی سید ندوی نے کافی حد تک اضافہ کیا ہے، جب کہ اخلاق نبوی ﷺ کے طویل باب میں شبلی وندوی دونوں کا اشتراک ہے۔ آخری تینوں ابواب یعنی آنحضرت ﷺ کے ازواج واولاد میں سید ندوی نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔

تنقید وتحسین

سیرت النبی ﷺ پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر انور محمود خالد نے پہلا جملہ لکھا ہے: "اس عہد کی سب سے اہم کتاب مولانا شبلی نعمانی (1857ء-1914ء) اور سید سلمان ندوی (1884ء-1953ء) کی مشترکہ تصنیف سیرت النبی ﷺ ہے"۔ اور اپنے تجزیاتی مطالعہ کا خاتمہ اس جملہ سے فرماتے ہیں: "چنانچہ ہمیں اختر وقار عظیم کا ہمنوا ہو کر کہنا پڑتا ہے کہ آج تک "سیرت النبی ﷺ" سے زیادہ محققانہ، عمدہ اور جامع المعلومات کتاب رسول کریم ﷺ پر نہیں لکھی گئی"۔ درمیان میں یہ بھی اعتراف کرتے ہیں: "بیشتر نقادوں نے سیرت النبی ﷺ کو اپنے موضوع پر سب سے زیادہ مکمل اور جامع تصنیف قرار دیا ہے، بلکہ بعض نے تو یہ بھی کہا ہے کہ اس کا جواب دنیا کی کسی زبان میں نہیں ہے"۔[15] شبلی کی سیرت النبی ﷺ پر ایک اور قابل ذکر سیرت نگار مولانا عبدالرؤف دانا پوری کا کہنا ہے: "اردو میں سیرت پر بہتر کتاب صرف ایک ہی اب تک لکھی گئی ہے، یعنی مولانا شبلی کی سیرت نبوی ﷺ"۔[16] ☆ شیخ محمد اکرم سیرت النبی ﷺ پر اپنا تجزیہ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں: "حیات نبوی ﷺ کے متعلق شبلی نعمانی نے جس محنت، دقت نظر، وسیع علمیت، غور وفکر، حسن استدلال اور ادبی شان کے ساتھ پہلی دو جلدیں لکھی ہیں، اس کی مثال عالم اسلامی کے ادب میں مشکل ہی سے ملے گی"۔[17] ☆ خود مولانا شبلی نعمانی منشی محمد امین زبیری کے نام خط میں لکھتے ہیں کہ: "اگر میں مر نہ گیا اور میری ایک آنکھ بھی سلامت رہی تو ان شاء اللہ دنیا کو ایک ایسی کتاب دے جاؤں گا جس کی توقع کئی سو برس تک بھی نہیں کی جا سکے گی"۔[18] اس کے برعکس شبلی کی تالیف سیرت النبی ﷺ پر سخت تنقید اور نکتہ چینی

بھی ہوئی ہے اور اس میں پائی جانے والی کمزوریوں کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ روحانیت سے خالی ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ اس کے کئی پہلو بحث طلب ہیں، کئی اس کی زبان کو شاعرانہ گردانتے ہیں اور کچھ اس کے مصادر ومراجع کی روایات کے درست استعمال نہ کرنے پر معترض ہیں، بہت وہ بھی ہیں جن کو سوانح نگاری میں غیر متعلق مباحث اور توسیع نگاری پر اعتراض ہے اور کچھ ایسے ہیں جو مولانا کے تجزیوں اور تنقیدوں پر نقطہ چینی کرتے ہیں، علاوہ ازیں بعض کتاب سے زیادہ صاحب کتاب پر تنقید کے تیر چلاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ تعریف وتحسین کے ساتھ ساتھ تنقید وتعریض کا باب بھی ہمیشہ کھلا رہتا ہے، تاہم مولانا شبلی نعمانی کی سیرت النبی ﷺ اپنی تمام خامیوں، تشنگیوں اور کمزوریوں کے باوجود سیرت پر اردو میں لکھی جانے والی عمدہ کتاب شمار ہوتی ہے۔

غزوہ کی لغوی واصطلاحی تفہیم

"غزوہ کا لغوی معنی قصد کرنا ہے"۔[19]☆کلیم محمود احمد ظفر کے بقول: "غزوہ کی جمع غزوات ہے۔ اصحاب سیر کی اصطلاح میں غزوہ اس مہم کو کہتے ہیں جس میں نبی اکرم ﷺ نے خود شرکت فرمائی ہو"۔[20]علامہ شبلی نعمانی غزوات وسرایا پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "موٴرخین نے "غزوہ" کے لفظ کو اس قدر وسعت دی ہے کہ امن وامان قائم رکھنے کے لیے دو چار آدمی بھی کہیں بھیج دیے گئے تو اس کو بھی انھوں نے غزوہ میں شمار کر لیا، غزوہ کے علاوہ ایک اور لفظ ہے یعنی "سریہ" "غزوہ اور سریہ میں لوگوں کے نزدیک یہ فرق ہے کہ غزوہ میں کم سے کم آدمیوں کی ایک خاص تعداد ضروری ہے، سریہ میں کوئی قید نہیں، ایک آدمی بھی کہیں لڑائی کی دیکھ بھال کو بھیج دیا گیا تو یہ بھی سریہ ہے۔ بعضوں کے نزدیک غزوہ کے لیے یہ شرط ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بہ نفس نفیس اس میں شرکت کی ہو"۔[21] چنانچہ غزوہ کے معنی ومفہوم میں ہر وہ مہم ہے جو رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں مدینہ سے باہر اختیار کی گئی ہو، خواہ آپ ﷺ جنگ کی نیت سے یا کسی اور نیت سے تشریف لے گئے ہوں، ان سب کے لیے عمومی طور پر غزوہ کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ شروع شروع میں بہت سی مہمات ایسی بھی ہوئی ہیں جن میں آپ ﷺ کا مقصد جنگ نہیں تھا، بلکہ مختلف قبائل سے معاہدات کرنا، دوستانہ تعلقات کو فروغ دینا اور خیر سگالی کے وفود کی ترسیل تھی، لیکن سیرت نگاروں اور محدثین نے ان مہمات کو بھی غزوات میں شامل کیا ہے، جن میں غیر عسکری اور سفارتی مہمات شامل ہیں، جیسے غزوہ ابواء کا ذکر ملتا ہے جو بدر سے پہلے وقوع ہوا۔ اس غزوہ کا مقصد جنگ نہیں تھا بلکہ بنی ضمرہ نام کے قبیلہ سے دوستی کا معاہدہ کرنا تھا، کیونکہ بنی ضمرہ اور رسول اکرم ﷺ کے مابین واقعہ ہجرت سے پہلے کے تعلقات تھے جن کا احیا وتجدید کرنا مقصود تھا، اسی طرح غزوہ ذوالعشیرہ کا بیان بھی ملتا ہے اس میں بھی کھوجیوں کا ایک قبیلہ بنومُدلج تھا جس سے تعلقات قائم کرنا مقصود تھا نہ کہ جنگی وحربی مقاصد کا حصول۔

تعداد غزوات

غزوات اور سرایا کی تعداد کے بارے میں ابتدائی سیرت نگاروں کے ہاں اختلاف پایا جاتا رہا ہے، ان کی تعداد بعض کے نزدیک کم اور بعض کے نزدیک زیادہ ہے۔ ہر ایک کا اپنا نقطۂ نظر اور سمجھنے کا فلسفہ ہے۔ بعض کے یہاں یکسانیت بھی ہے، لیکن ان کی تعداد بہت قلیل ہے۔ حالات وواقعات کو جانچنے، پرکھنے کے لحاظ سے بھی اختلاف ہے کہ انھوں نے کس چیز کو معیار ومیزان مقرر کیا ہے۔ نیز ہر کسی کا دلیل بیان کرنے اور نتیجہ اخذ کرنے کا بھی اپنا انداز ہے، اس لحاظ سے بھی اختلاف پایا جاتا ہے، بعض

نے ابتدائی حالات سے معاملات کو دیکھا ہے اور بعض نے آخر کے حالات کو لیا ہے اور درمیانی معاملات کے بارے میں بھی تنوع ہے، مثلاً ایک جنگ کے لیے لشکر روانہ ہوا ہے اور واپسی پر راستے میں مخالفین سے مڈ بھیڑ ہو گئی تو بعض نے ان کو دو غزوات شمار کیا ہے اور بعض نے ایک، اسی طرح اگر ایک مقام پر دو لڑائیاں ہوئیں ہیں تو کچھ نے ایک لڑائی شمار کیا ہے اور کچھ نے دو، ایسے ہی کچھ دیگر معاملات و وجوہ کی وجہ سے بھی اہل سیر کے درمیان علمی اختلافات وقوع پذیر ہوئے۔ اس بارے میں پیر کرم شاہ الازہری کی رائے یہ ہے کہ: "غزوات کی تعداد میں یہ تفاوت حقیقی نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض غزوات کے مقامات ایک دوسرے سے بالکل قریب تھے اور بعض غزوات ایک ہی سفر میں پیش آئے اس لیے بعض حضرات نے قریب الوقوع غزوات کو ایک غزوہ شمار کیا، اسی طرح ایک ہی سفر میں پیش آنے والے غزوات کو بعض علماء نے ایک غزوہ شمار کیا ہے اور دیگر حضرات نے سب کو الگ الگ شمار کیا، اس لیے تعداد میں کمی بیشی ہو گئی، مثلاً ودان اور ابواء کیونکہ یہ دونوں مقامات ایک دوسرے کے قریب تھے اس لیے بعض نے اس کو ایک غزوہ شمار کیا اور بعض نے دو، اسی طرح فتح مکہ کو بعض نے غزوات میں شمار کیا اور بعض نے کہا یہ صلح سے فتح ہوا، اس لیے اس کو غزوات میں شمار نہیں کیا، اسی طرح غزوہ حنین اور طائف ایک ہی سفر میں پیش آئے، اس لیے بعض نے انہیں ایک غزوہ شمار کیا، یہ امور غزوات کی گنتی میں کمی بیشی کا سبب تو بن سکتے ہیں، لیکن ان سے حقیقت حال متاثر نہیں ہوئی"۔[22] چنانچہ غزوات و سرایا کی تعداد کے بارے میں اردو سیرت نگاروں کے ہاں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، کیونکہ تعداد میں کمی بیشی کا مدار عربی امہات الکتب پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو مترجمین اور اہل قلم حضرات کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ سیرت ابن کثیر میں ابن اسحاق، امام احمد، امام بخاری، اور امام مسلم نے عبد اللہ بن بُریدہ کے واسطے سے روایت کیا ہے کہ:

قَالَ قُلْتُ لِزَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ كَمْ غَزَا رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ قَالَ تِسْعَ عَشْرَةَ قُلْتُ كَمْ غَزَوْتَ أَنْتَ مَعَهُ قَالَ سَبْعَ عَشْرَةَ غَزْوَةً قَالَ الْحَافِظُ تِسْعَ عَشْرَةَ[23]

> "انھوں نے کہا کہ میں نے زید بن ارقم سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کتنے غزوات میں شرکت فرمائی؟ انھوں نے کہا انیس غزوات میں، پھر میں نے پوچھا آپ کتنے غزوات میں نبی کریم ﷺ کے ہمرکاب تھے، کہا سترہ غزوات میں، حافظ ابن کثیر نے بھی غزوات کی تعداد انیس بتائی ہے"۔

جن غزوات میں کفار کے ساتھ جنگیں ہوئیں اگرچہ ان میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے تاہم ان کی معروف تعداد 9 ہے، جو یہ ہیں: 1۔ بدر 2 ہجری، 2۔ اُحد 3 ہجری، 3۔ خندق 5 ہجری، 4۔ قریظہ 5 ہجری، 5۔ مصطلق 5 ہجری، 6۔ خیبر 7 ہجری، 7۔ فتح مکہ 8 ہجری، 8۔ حنین 8 ہجری، 9 طائف 8 ہجری۔ مگر حضرت بُریدہ کے مطابق جن غزوات میں کفار کے ساتھ جنگ ہوئی ان کی تعداد آٹھ ہے، شاید ان کے نزدیک مکہ صلح سے فتح ہوا تھا نہ کہ جنگ سے۔[24]

غزوات رسول ﷺ کا منہج

سیرت النبی ﷺ اپنے طریقہ تالیف میں اپنا الگ مقام و وقار رکھتی ہے اور بلاشبہ اردو زبان وادب میں اعلیٰ معیار کی حامل ہے۔ سیرت النبی ﷺ میں غزوات رسول ﷺ کے منہج کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مولانا شبلی واقعات کو تمام حقائق کی روشنی میں چھان پھٹک کر کے بیان کرتے ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی خود اپنی کتاب سیرت النبی ﷺ کے مقدمہ میں منہج بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں جس کا خلاصہ درج ذیل ہے: ☆ قرآن میں جو کچھ سیرت کے حوالے سے مذکور ہے اس کو سب پر

مقدم رکھا جائے گا، کیونکہ یہ قطعاً ثابت ہے کہ قرآنِ مجید میں بیشتر واقعات کے متعلق تصریحات یا اشارے موجود ہیں جن سے مباحث اختلافی کا فیصلہ ہو جاتا ہے، مگر لوگوں نے ان آیات قرآنی پر صحیح طریقے سے نظر نہیں ڈالی۔ ☆ قرآن کے بعد حدیث کا درجہ آتا ہے۔ اس لیے احادیث صحیحہ کے مقابل سیرت کی روایات کو چھوڑ دیا ہے، کیونکہ بخاری و مسلم میں مذکور روایات کے سامنے اہل سیرت یا تاریخی روایات کی کوئی اہمیت نہیں، اگر استقراء اور تفحص سے کام لیا جائے تو اہم واقعات کے بارے میں صحاح ستہ میں روایات مل جاتی ہیں۔ سیرت النبی ﷺ کی خصوصیت ہے کہ ہم نے اکثر تفصیلی واقعات کو احادیث ہی کی کتب سے تلاش کیا ہے۔ ☆ روزمرہ اور عام واقعات میں ابن سعد، ابن ہشام اور طبری کی روایات پر انحصار کیا ہے، مگر اہمیت رکھے جانے والے واقعات کے متعلق خوب تنقید و تحقیق سے کام لیا ہے۔ اس کے لیے پہلا کام یہ کیا ہے کہ ابن ہشام، ابن سعد اور علامہ طبری کے تمام رواۃ کے نام علیحدہ کر کے پھر اسماء الرجال کی کتب کی روشنی میں ان کی جرح وتعدیل کا نقشہ تیار کیا، تاکہ مقصود سلسلہ روایت کی تحقیق آسان ہو جائے۔ ☆ بیان کی گئی مختلف فروگزاشتوں کی ممکن حد تک اصلاح اور تلافی کی ہے۔ ان کے علاوہ مولانا نے استناد اور حوالوں کے بارے میں جو منہج اختیار کیا ہے اس کو بیان کرتے ہوئے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ: جو کتب میری نظر سے گزری ہیں صرف انہیں کا حوالہ دیا ہے۔ اہم واقعات سے متعلق صحیح احادیث یا مستند تاریخی روایات کا حوالہ دیا ہے، مگر عام واقعات اور غزوات سے متعلق جزئیات کی تفصیل میں محدثانہ کدو کاوش نہیں کی۔ مطبوعہ کتب کے حوالہ میں مطبع کا نام بھی بتا دیا ہے، جب کہ قلمی کتابوں کے متعلق تصانیف سیرت (کی فہرست جو اوپر گزر چکی ہے جن کی فہرست مقدمہ میں دی ہے) میں بتا دیا ہے کہ ہمارے استعمال میں کون سا نسخہ ہے۔[25]

چنانچہ مولانا نے غزوات رسول ﷺ کو بیان کرنے میں جو منہج اپنایا ہے اس کی تفصیل کچھ یوں ہے: غزوات رسول ﷺ بیان کرنے میں مولانا نے نہایت احتیاط سے کام لیا ہے اور ان اسباب کا رد کیا ہے جن سے مخالفین اسلام یا خاص طور پر مستشرقین غزوات رسول ﷺ کے سلسلے میں غیر مستند روایات لے کر اسلام پر اعتراضات کرتے ہیں اور اسلام کے دامن کو داغدار کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مولانا ایسے تمام محرکات کا قلع قمع کرتے ہیں۔ چنانچہ مولانا غزوات کی ابتدا سرخی "سلسلہ غزوات" سے کرتے ہیں اور درج ذیل مبحث فرماتے ہیں:

> "کیا عجیب بات ہے کہ ارباب سیر و مغازی کی داستان جس قدر زیادہ دراز نفسی اور بلند آہنگی سے بیان کرتے ہیں، یورپ اسی قدر اس کو زیادہ شوق سے جی لگا کر سنتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ داستان اور پھیلتی جائے، کیونکہ اس کو اسلام کے جور و ستم کا جو مرقع آراستہ کرتا ہے اس کے نقش و نگار کے لیے لہو کے چند قطرے نہیں، بلکہ چشمہ ہائے خون درکار ہیں۔ یورپ کے تمام مؤرخوں نے سیرت نبوی ﷺ کو اس انداز میں لکھا ہے کہ وہ لڑائیوں کا ایک مسلسل سلسلہ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ زبردستی مسلمان بنائے جائیں"۔[26]

مولانا شبلی نعمانی کے منہج کا خاصہ ہے کہ انھوں نے غزوات کو بیان کرنے سے پہلے اہل یورپ اور مستشرقین کے معاندانہ رویہ کو ذکر کیا ہے کہ ان کا مطمع نظر کیا ہے اور وہ غزوات کو بیان کرنے سے کیا نتائج اخذ کرنا چاہتے ہیں؟ کیونکہ یورپ کے تمام مؤرخین جن کا کہنا ہے کہ اسلام لڑائیوں سے پھیلا تھا جو مسلسل چلتی رہیں۔ مولانا نے ان کے اس خیال باطل کا رد کیا اور ان کے تمام مذموم مقاصد کو بیان کر دیا، تاکہ قاری کا ذہن شروع ہی سے انہیں جان لے اور بعد میں پیش آمدہ واقعات سے مثبت نتائج اخذ کر سکے اور کسی خلفشار کا شکار نہ ہو۔ مولانا کہتے ہیں کہ مغازی کی ابتدا سے پہلے اس بات کی بھی وضاحت کرنا از حد ضروری

ہے کہ: "اسلام جب تک مکہ میں تھا مصائب گونا گوں کی آماجگاہ تھا، مدینہ میں آکر اس کی کلفتیں دور ہوئیں"۔[27] شبلی کہتا ہے کہ یہ اعتراض بالکل غلط ہے، کیونکہ مکہ میں جو مصیبت تھی وہ تنہا تھی گو کہ سخت تھی، جب کہ مدینہ میں مشکلات وسیع تر ہو گئیں، کیونکہ مکہ میں صرف ایک قوم آباد تھی اس کے برعکس مدینہ میں انصار کے ساتھ ساتھ یہود کے قبائل آباد تھے اور ان کے علاوہ تیسری قوم منافقین کی بھی تھی جو دونوں سے زیادہ خطرناک تھے۔ مدینہ جو حضور ﷺ کی تشریف آوری سے قبل بیرونی خطرات سے بالکل محفوظ تھا مگر آپ ﷺ کی قیام گاہ ہونے کی وجہ سے اب مدینہ قریش کے غیظ وغضب کا نشانہ بن چکا تھا، جیسے قریش مکہ نے عبداللہ بن اُبی جو ہجرت سے قبل رئیس الانصار تھا اور اس کے ہم نوا انصار نے اس کی تاجپوشی کی رسم کو شاہانہ انداز میں انجام دینے کے لیے تیاری کر رکھی تھی کو ایک خط لکھا جس کے الفاظ یہ ہیں: "اِنَّكُمْ آوَيْتُمْ صَاحِبَنَا! وَاِنَّا نُقْسِمُ بِاللّٰهِ لَتُقَاتِلُنَّهُ أَوْ لَتُخْرِجُنَّهُ أَوْ لَنَسِيرَنَّ اِلَيْكُمْ بِاَجْمَعِنَا حَتّٰى نَقْتُلَ مُقَاتِلَتَكُمْ وَنَسْتَبِيحَ نِسَاءَكُمْ".[28] "تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے، ہم اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر ڈالو یا مدینہ سے نکال دو، ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کریں گے اور تم کو گرفتار کر کے تمھاری عورتوں پر تصرف کریں گے"۔

اہل مکہ چونکہ حرم کی تولیت اور مجاورت کرتے تھے اس لیے تمام عرب قریش ان کا احترام کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ مکہ سے مدینہ تک پھیلے ہوئے تمام قبائل قریش کے زیر اثر تھے۔ اس لیے وہ تمام قبائل اسلام کے مخالف ہو چکے تھے۔ مزید مولانا شبلی نے وضاحت کی ہے کہ قریش ہر وقت مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے پرجوش تھے اور کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتے تھے، مولانا شبلی سنن نسائی، بخاری اور حاکم کی روایت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ جب مدینہ آئے تو راتوں کو جاگا کرتے تھے، ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا: آج کوئی اچھا آدمی پہرہ دے تو سعد بن ابی وقاصؓ نے رات بھر پہرہ دیا، آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ پوری رات یعنی صبح تک ہتھیار باندھ کر سوتے تھے، موٴرخین کے مطابق مغازی کی ابتدا انہیں واقعات کی وجہ سے ہوئی۔[29]

جہاد کی اجازت

مولانا شبلی "سلسلہ غزوات" کے ذیل میں جہاد کی اجازت کے بارے میں مواہب لدنیہ اور زرقانی کی روایات لائے ہیں، جن کے مطابق اللہ تعالیٰ نے 12 صفر 2 ہجری کو جہاد کی اجازت دی، حکم ملا: أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ[30] "یعنی جن سے لڑائی کی جاتی ہے (مسلمان) ان کو بھی اب لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے، کیونکہ ان پر ظلم کیا جا رہا ہے اور اللہ ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے"۔ تفسیر ابن جریر کے مطابق سب سے پہلی آیت جو قتال کے متعلق نازل ہوئی وہ یہ ہے: وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ[31] "اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں"۔ مندرجہ بالا دونوں آیات کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑنے کی اجازت صرف انھیں لوگوں سے ہے جو پہلے خود لڑنے کے لیے آتے ہیں، یعنی مدافعتی جنگ کا حکم ملا۔

مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی تدابیر

مولانا سیرت النبی ﷺ کے صفحہ 151 پر رقمطراز ہیں کہ مدینہ میں نبی پاک ﷺ نے جو پہلا کام کیا وہ اپنی، مہاجرین کی اور انصار کی حفاظت کا انتظام تھا، کیونکہ قریش نے مسلمانوں کا جینا حرام کیا ہوا تھا اور پورے مدینہ کو برباد کرنا چاہتے تھے، چنانچہ نبی

پاک ﷺ نے درج ذیل دو تدابیر اختیار فرمائیں:۔ شامی تجارت کو بند کر دیا جائے۔☆ مدینہ کے قرب وجوار میں آباد قبائل سے معاہدہ امن کیا جائے۔

بدر سے پہلے جو مہمیں بھیجیں گئیں

2 ہجری میں غزوہ ابواء سے پہلے مکہ کی طرف سو سو پچاس پچاس لوگوں پر مشتمل تین مہمیں بھیجی تھیں جن کو صاحب سیر "سریہ" کہتے ہیں۔ اول سریہ حمزہؓ، دوم سریہ عبیدہ بن حارثؓ، سوم سریہ سعد بن ابی وقاصؓ، مگر ان تینوں مہمات میں کوئی خون خرابہ نہ ہوا۔

مخالفین کے اعتراضات

مخالفین یہ اعتراض اٹھاتے ہیں کہ صحابہؓ کو غارت گری کی تعلیم دی جاتی تھی۔ شبلی اس اعتراض کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: جہالت پر مبنی بیان ہے۔☆ اسلام میں سخت گناہ کا کام ہے۔☆ کسی مہم میں بھی یہ مذکور ہے کہ صحابہؓ نے قافلہ کا مال لوٹ لیا تھا؟☆ اگر صحابہ کا مقصد ڈاکہ ڈالنا ہی تھا تو وہ یہ کام قریش کے علاوہ کسی اور جگہ نہیں کر سکتے تھے؟۔

مسلمانوں کے معاہدات

درج ذیل قبائل سے معاہدات طے پائے: قبیلہ جہینہ سے معاہدہ ہوا کہ وہ فریقین سے ایک جیسے تعلقات رکھیں گے، یہ قبیلہ مدینہ سے تین منزل پر آباد تھا۔☆ قبیلہ بنو ضمرہ سے معاہدہ ہوا۔☆ جمادی الثانی 2 ہجری میں آپ ﷺ دو سو مہاجرین کے ساتھ ذوالعشیرہ پہنچے اور بنو مدلج سے معاہدہ کیا۔

غزوات کی ابتداء

صفر 2 ہجری میں آپ ﷺ 60 مہاجرین کے ہمراہ ابواء کے مقام تک گئے اور وہاں چند روز قیام کے بعد آپ ﷺ نے بنو ضمرہ سے معاہدہ کیا جن کا سردار مخشی بن عمرو ضمری تھا۔ تقریباً تمام محدثین اسی واقعہ سے مغازی کی ابتدا کرتے ہیں اور صحیح بخاری میں بھی اسی کو اول الغزوات کہا گیا ہے۔ تقریباً ایک ماہ بعد کرز بن جابر فہری رئیس مکہ نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا اور حضور ﷺ کے مویشی لوٹ کر لے گیا۔ رجب 2 ہجری کو نبی پاک ﷺ نے عبد اللہ بن جحش کو بارہ آدمیوں کے ہمراہ بطن نخلہ کی طرف بھیجا اور ایک خط کے ذریعے بتایا کہ مقام نخلہ پر قیام کرنا اور قریش کے حالات معلوم کر کے مطلع کرنا، اتفاق سے قریش کے چند آدمی جو شام سے مال تجارت لے کر آرہے تھے سامنے آگئے۔ حضرت عبد اللہؓ نے ان پر حملہ کر دیا، ان میں سے ایک آدمی عمرو بن الحضرمی کو قتل کر دیا اور دو گرفتار کر لیے، مال غنیمت بھی ہاتھ لگ گیا۔ حضور ﷺ نے اس واقعہ کو ناپسند کیا، مالِ غنیمت کو بھی قبول نہ کیا اور فرمایا: "میں نے تم کو یہ اجازت نہیں دی تھی"۔[32] چنانچہ صحابہؓ نے غصہ میں حضرت عبد اللہؓ سے کہا: صنعتم ما لم تؤمروا بہ و قاتلتم في الشهر الحرام ولم تؤمروا بالقتال![33] "تم نے وہ کام کیا (قافلہ لوٹا) جس کا تم کو حکم نہیں دیا گیا تھا اور ماہِ حرام میں لڑے، حالانکہ اس مہینہ میں تم کو لڑنے کا حکم نہ تھا"۔ اس واقعہ میں قتل اور گرفتار ہونے والے تمام بڑے معزز خاندان کے لوگ تھے، اس وجہ سے قریش مشتعل ہو گئے اور انتقام خون کے لیے تیار ہو گئے۔ علامہ شبلی حضرت عائشہؓ کے بھانجے عروہ بن زبیرؓ کا قول نقل کرتے ہیں کہ: "غزوہ بدر اور تمام لڑائیاں جو قریش سے پیش آئیں سب کا سبب یہی حضرمی کا قتل ہے"۔[34]

غزوہ بدر

مولانا شبلی نے غزوات کی باقاعدہ ابتداء "غزوہ بدر" سے کی ہے اور اس غزوہ کا آغاز اس آیت مبارکہ سے کیا ہے: وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ[35] "اور اللہ نے بدر میں تمھاری مدد فرمائی، حالانکہ تم اس وقت بالکل بے سروسامان تھے، پس اللہ سے ڈرا کرو تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ"۔ اس کے بعد مقام بدر کے بارے میں وضاحت فرمائی کہ وہ مدینہ سے تقریباً اسی میل دور ایک گاؤں کا نام ہے، جہاں ہر سال میلہ لگتا تھا، پھر غزوہ بدر کے وجوہات واسباب اور تیاری پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مولانا نے بحوالہ ابن سعد، کنز العمال، معارف ابن قتیبہ، ابن ہشام، مصنف ابن ابی شیبہ اور مسند امام احمد بن حنبل غزوہ بدر کے متعلق روایات سے استفادہ کیا ہے اور روایات کے مابین فرق کو صفحات کے نیچے حاشیہ میں تحریر کیا ہے۔ غزوہ بدر کے جمیع واقعات کو بیان کرتے ہوئے عربی اشعار کا تذکرہ کیا ہے اور مزید واقعات بدر پر روشنی ڈالی ہے، بعد میں مولانا نے "غزوہ بدر پر دوبارہ نظر" عنوان کے تحت غزوہ بدر پر محققانہ بحث کی ہے، جو شبلی ہی کا منہج خاص ہے۔ مولانا نے بعض نکات پر دیگر اہل سیر سے اختلاف بھی کیا ہے اور بھرپور انداز میں دلائل پیش کیے ہیں۔ ان کا اختلاف علمی کرنے کا بھی اپنا علیحدہ منہج واسلوب ہے، جمیع واقعات کو ماقبل اور مابعد کے حالات کے موافق تطبیق سے نتیجہ اخذ کرنا اور اشکالات کو دفع کرنا کہ مسئلہ واضح ہیئت سے سمجھ میں آجائے، مولانا فرماتے ہیں مجھے مطلق خوف نہیں کہ اس فیصلہ میں مورخین اور ارباب سیر میرے مقابل ہیں۔ مگر شبلی کے ہاں کئی مقامات پر معذرت خواہانہ انداز بھی ملتا ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کے ابتدائی معرکوں کے بارے میں اہل مغرب نے لکھا ہے کہ وہ مال غنیمت کے لیے کیے گئے تھے تو شاید مولانا اس اعتراض سے متاثر ہو چکے تھے، جس کی وجہ سے انھوں نے ان غزوات کی اس طرح تعبیر کرنے کی کوشش کی کہ بعض مقامات پر مسلمانوں کے متفقہ موقف کی بھی مخالفت کی، چنانچہ غزوہ بدر کے بارے میں تو مولانا کی تحقیق سے سب نے اختلاف کیا ہے جس میں ان کے شاگرد سید ندوی بھی شامل ہیں۔[36] تاہم مولانا شبلی کے تجزیاتی اور تنقیدی انداز نگارش (منہج) کو سیرت النبی ﷺ میں اہم مقام حاصل ہے جس کی مزید تفصیل درج ذیل سطور میں پیش کی جاتی ہے اور تمام غزوات پر شبلی کے اختیار کردہ منہج واسلوب پر مختصر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

1۔ وہ غلط روایات واخبار پر تنقید کرتے ہیں اور صحیح روایات وآثار کو قبول کرتے ہیں، لیکن بعض جگہ ضعیف اور کمزور روایات کو قبول بھی کرتے ہیں اس کی اصل وجہ سیرتی اور حدیثی روایات کا فرق ہے، حدیث کی روایات زیادہ ثقہ اور معتبر ہوتی ہیں بمقابلہ سیرتی روایات کے۔ بعض مقامات پر مولانا سیرتی روایات کو حدیثی روایات پر ترجیح دے کر اپنے قائم کردہ اصول توڑتے ہیں، لیکن اس بارے میں وہ معتبر اور حجت جمہور کی پیروی کرتے ہیں، کیونکہ جہاں بھی اہل سیر کے اجماع کا معاملہ ہے تو وہیں حافظ مغلطائیؒ جیسے محدثین اور امام ابن حجرؒ جیسے شارحین نے بھی نہ صرف ان اہل سیر کی روایات کو قبول کیا ہے، بلکہ محدثین پر تنقید بھی کی ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مولانا اپنے علمی استدلال، مورخانہ فہم وفراست اور احوال وواقعات کے تناظر میں اہل سیر کی روایات کو قبول کرتے تھے، غزوہ بنو المصطلق کا بیان ہو یا اسی غزوہ میں حضرت جویریہؓ کا نبی پاک ﷺ سے نکاح کا معاملہ مولانا نے تمام احوال تاریخی اور واقعاتی تناظر کو دیکھتے ہوئے سیرت کی روایات کو ترجیح دی ہے۔

علاوہ ازیں مولانا نے سیرت نبوی ﷺ کے بیشتر واقعات میں روایات سیرت کو قابل اعتماد سمجھا ہے، جیسے مختلف یہودی دشمنوں کعب بن اشرف اور ابو رافع کے قتل کا معاملہ ہو یا پھر بیشتر غزوات یعنی بدر، اُحد، موتہ، حنین وغیرہ، کیونکہ ان سے متعلق زیادہ مواد کتب سیرت میں ملتا ہے بنسبت کتب حدیث کے۔

2۔ مولانا شبلی نعمانی اپنی سیرت النبی ﷺ میں روایات واحادیث کی سخت تنقید و تحلیل کرتے ہیں انھوں نے بعض مقام پر حافظ ابن حجرؒ اور کچھ دیگر محدثین پر نہ صرف تنقید کی ہے، بلکہ ان کی روایات کو بھی قبول نہیں کیا، جیسے غزوہ بدر کے بارے میں مولانا شبلی نیا نظریہ پیش کرتے ہیں جس پر بہت زیادہ تنقید ہوئی ہے، وہ بعض روایات کی روشنی میں ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قریش مکہ نے جو مدینہ پر چڑھائی کی تھی دراصل وہ عمرو بن الحضرمی کے قتل کا بدلہ لینا چاہتے تھے، رسول اللہ ﷺ کو ان کے آنے کی اطلاع مدینہ میں ہی مل گئی تھی، لہٰذا آپ ﷺ اپنے جانثاروں کے ہمراہ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلے تھے، نا کہ قریشی قافلہ لوٹنے کے لیے۔

3۔ مولانا مستشرقین کے بیانات اور تجزیوں پر شدید تنقید کرتے ہیں اور ان کے خیالات و نظریات کا خوب رد کرتے ہیں، عنوان "غزوات پر دوبارہ نظر" کے ذیل میں ان کی بحث درحقیقت مولانا کے تنقیدی مطالعہ کی آئینہ دار ہے۔

4۔ مولانا متعدد مباحث میں متون میں ہی حوالے دیتے ہیں اور بعض مقامات پر حاشیہ میں تفصیل درج کر دیتے ہیں، لیکن بیشتر بیانات وواقعات بلا حوالہ بھی پیش کرتے ہیں، مگر مولانا شبلی کا یہ منہج ہے کہ وہ حوالوں کا اہتمام کرتے ہیں، جب کہ اس زمانے میں حوالے دینے کا کوئی خاص رواج ودستور نہ تھا۔

5۔ "غزوات پر دوبارہ نظر" کے عنوان کے ذیل میں مولانا نے اپنے نظریہ کو دلائل وشواہد کی روشنی میں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اصل سبب سے سیرت نگاروں، تاریخ دانوں کی غفلت ولاعلمی اور قریشی قافلہ پر حملہ کرنے کی توجیہ پر بحث کی ہے۔ بدر کے نتائج پر خاتمہ کیا ہے اور اسی عنوان کے ذیل میں بقیہ 2 ہجری کے زریں واقعات تحریر کیے ہیں، جیسے غزوہ سویق ذی الحجہ 2 ہجری، خاتون جنت حضرت فاطمہؓ کی شادی اور غزوہ بنو قینقاع وغیرہ۔ ہجری کے عنوان کے ذیل میں مولانا نے "غزوہ احد" کو بیان کیا ہے۔ اس کی ابتداء قرآنِ مجید کی اس آیت کریمہ سے کی ہے: وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ[37] "اور سست نہ ہو اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان رکھتے ہو"۔

6۔ شبلی نے احد کا سبب قریشیوں کی غزوہ بدر میں شکست وریخت اور عرب روایت ثار بیان کیا ہے۔ اس کے بعد غزوہ احد کے دیگر احوال بیان کیے ہیں۔ قریشی اکابر کی تیاری، قریشی خواتین، رزمیہ شاعری، حضرت عباس کی خیر خواہی، صحابہؓ سے مشورہ، غزوہ کے لیے روانگی، تیر اندازوں کی تعیناتی، جنگ کی تفصیلات، مسلم اکابرین کی شہامت وشہادت، قریشی مقتولین کی بہادری، تیر اندازوں کی نافرمانی، قریشی لشکر کا پیچھے سے حملہ کرنا، رسول اللہ ﷺ کا زخمی ہونا اور مسلمانوں کا فرار، جاں نثاروں کی ثابت قدمی، مسلم فوجیوں کی واپسی اور قریشی لشکر کی پسپائی، مسلم خواتین کی جنگ میں شرکت اور کارنامے، مسلم شہیدوں کی تعداد، تدفین، مدینہ پر اثر، حمراء الاسد کا ضمنی حوالہ، سورۂ آلِ عمران میں غزوہ احد کی تفصیل کا ذکر اور دیگر متفرق مباحث موجود ہیں۔

7۔ 4 ہجری کے ذیل میں "سلسلہ غزوات وسرایا" کے عنوان کے تحت مولانا نے غزوہ اُحد کے بعد وقوع پذیر ہونے والی سرایا کو بیان کیا ہے، جیسے سرایائے ابی سلمہ، ابن انیس، بئر معونہ، واقعہ رجیع اور ان کے بعد دیگر متفرق واقعات کا ذکر کیا گیا ہے، جن میں حضرت زید کا عبرانی زبان سیکھنا، حضور ﷺ کا حضرت ام سلمہؓ سے نکاح وغیرہ شامل ہیں۔

8۔ مولانا شبلی نعمانی نے یہود مدینہ کے ساتھ اسلامی حکومت کے تعلقات کو ایک علیحدہ باب "یہودیوں کے ساتھ معاہدہ اور جنگ 2ھ، 3ھ، 4ھ" کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔ اس میں یہودیوں کی سماجی وسیاسی حالت اور ان کی مختصر تاریخ بیان کی ہے۔ اس کے بعد مولانا نے تین مشہور قبائل یہود کی سماجی واقتصادی قوت کا ذکر کرنے اور ہجرت کے بعد ان کے ساتھ اسلام کے معاہدہ

کا تذکرہ کیا ہے۔ تاریخی روایات کے علاوہ قرآنِ مجید سے بھی بطورِ ثبوت شہادتیں بیان کی ہیں اور یہود و منافقین کے باہمی ملاپ پر روشنی ڈالی ہے۔ بعد ازاں ترتیب سے غزوہ بنو قینقاع اور غزوہ بنو النضیر کا ذکر کیا ہے، پھر بعض یہودیوں اور دیگر دشمنوں کے خلاف مہمات کا ذکر کیا ہے، جیسے قتل کعب بن اشرف کا بیان۔

9۔ 5 ہجری کے مباحث خاص میں مولانا نے "غزوہ مریسیع، واقعہ افک و غزوہ احزاب" کا ذکر کیا ہے۔ ابتداء میں غزوات ذات الرقاع و دومۃ الجندل کا ذکر ہے، اس کے بعد غزوہ مریسیع کو بیان کیا ہے، "حضرت جویریہؓ کا واقعہ" علیحدہ سرخی کے تحت ذکر کیا ہے، پھر مختصراً واقعہ افک کا بیان ہے۔ بعد میں شبلی نے غزوہ احزاب کو پورے عرب کی متحدہ لڑائی قرار دے کر بحث کی ہے۔ پھر مدینہ کے آخری خلاف ورزی کرنے والے یہودی قبیلہ کے انجام کا ذکر "بنو قریظہ کا خاتمہ" کے عنوان کے تحت کیا ہے۔ مولانا شبلی نے غزوہ بنو قریظہ پر دلائل و براہین بھی دیے ہیں اور ان کی سخت سزا کی توجیہ بھی بیان کی ہے، پھر کچھ دیگر تفصیلات کا ذکر بھی کیا ہے، جن میں "ریحانہ کا غلط واقعہ" اور "حضرت زینبؓ سے نکاح 5ھ" شامل ہیں۔ اس پر مولانا نے غلط روایات پر تنقید کی ہے، اس کے علاوہ "واقعات متفرقہ 5ھ" کے عنوان کے تحت حجاب، متبنیٰ، زنا، تہمت، حد قذف، ظہار، تیمم اور نماز خوف کے احکام پر تبصرہ کیا ہے۔

10۔ 6 ہجری کے ذیل میں مولانا نے "صلح حدیبیہ و بیعت رضوان ذوالقعدہ 6 ہجری" عنوان کے تحت دونوں واقعات کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ابتداء میں مولانا بتاتے ہیں کہ حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے جو مکہ سے ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور وہاں موجود گاؤں بھی کنویں کی وجہ سے حدیبیہ کے نام سے مشہور ہو گیا ہے، چونکہ صلح نامہ بھی وہیں لکھا گیا تھا اس لیے اسے بھی صلح حدیبیہ کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد مولانا نے قرآن کے حوالے سے بتایا ہے کہ اسلام کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھی اور لقب اسلام بھی انہیں کا دیا ہوا ہے: هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ[38] "(ابراہیم) ہی ہے جس نے تمھارا نام مسلمان رکھا"۔ اور مزید مولانا فرماتے ہیں کہ شریعت محمدی ﷺ دراصل شریعت ابراہیمیؑ ہے، جیسے: مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ[39] "تمھارے باپ ابراہیم کا مذہب"۔ علاوہ ازیں صلح حدیبیہ کی شرائط و اثرات کا احاطہ کیا اور پھر آیت فتح کا ذکر کیا ہے کہ: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا[40] "ہم نے تجھ کو کھلی ہوئی فتح عنایت کی"۔ بعد میں حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط کی ہجرت اور کافر بیویوں کو علیحدہ کرنے کے شرعی حکم کو زیرِ قلم لایا گیا ہے۔

11۔ "سلاطین کو اسلام کی دعوت آخر 6 ہجری یا شروع 7 ہجری" عنوان کے تحت آغاز قرآنی آیت یعنی اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ[41] "بلا اپنے رب کی راہ پر پکی باتیں سمجھا کر اور نصیحت سنا کر بھلی طرح"۔ سے کیا ہے اور سفیران نبوی ﷺ بنام قیصر روم، خسرو ایران، عزیز مصر، نجاشی بادشاہ حبش، رؤسائے یمامہ، رئیس حدود شام حارث غسانی کی کارگزاری مذکور ہے، اس کے بعد قیصر اور ابوسفیان کی گفتگو بیان کی گئی ہے اور خسرو پرویز کی حماقت و قتل کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ نجاشی کے جنازہ اور حضرت ام حبیبہؓ کے نکاح کا ذکر بھی موجود ہے، آخر میں مولانا نے "واقعات متفرقہ 6ھ خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ کا اسلام" سرخی کے تحت بطورِ خاص حضرت خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ کے اسلام قبول کرنے کا ذکر اور حضرت خالد بن ولیدؓ کے خطاب سیف اللہ، فتح مکہ و غزوہ موتہ کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے، علاوہ ازیں ان دونوں کے فاتح قیصر و ایران ہونے کا ذکر بھی موجود ہے۔

12۔ ''7ھ خیبر آخر 6ھ یا اوائل 7ھ ''۔ اس عنوان کو مولانا نے غزوہ خیبر کے لیے خاص کیا ہے اور اس باب میں درج ذیل مباحث کی ہیں: خیبر کے معنی، جغرافیہ، یہودی قوت، تاریخ خیبر، مدینہ پر یہودی حملہ کی تیاری، اسلام کا حریف، قریش کے بعد خیبر اور غطفان کا اتحاد، یہود خیبر سے معاہدہ نبوی ﷺ کی کوشش، غطفان سے بات چیت، اسی ضمن میں غزوہ ''ذی قرد محرم 7ھ'' کا ذکر اور تین دن بعد غزوہ خیبر کا وقوع، اختلاف تاریخ کی تطبیق، محاصرہ اور پھر جنگ کی مکمل تفصیلات، خواتین کی شرکت، حضرت عمر کے واقعہ کی تحقیق، حضرت علی کی فتح قلعہ مرحب، فتح کے بعد معاہدہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ''حضرت صفیہؓ کے واقعہ کی تحقیق'' عنوان کے تحت ان سے رسول اللہ ﷺ کی شادی کی تفصیل بیان کی گئی ہے، آخر میں دیگر متفرق واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جن میں زہریلے گوشت کا بیان، مسلم مقتول کا معاملہ، کنانہ بن ابی الحقیق کے خزانہ کی روایت، اور ''ایک اور نکتہ'' سرخی کے تحت تاریخ قتال پر بحث کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں مولانا نے تقسیم زمین، ملکی حالت اور احکام فقہی، وادی القریٰ اور فدک، ادائے عمرہ عنوانات کے تحت تفصیلات قلم بند کی گئی ہیں۔

13۔ ''8ھ غزوہ موتہ جمادی الاولیٰ 8ھ''۔ مولانا نے اپنے مخصوص منہج واسلوب کے مطابق مندرجہ بالا عنوان کے تحت غزوہ موتہ کی تفصیلات بیان کی ہیں، سب سے پہلے ''موتہ'' کے بارے میں وضاحت کی ہے کہ موتہ شام میں ایک مقام کا نام ہے، وہاں کی تلواریں بہت مشہور تھیں، اس کے بعد نبی پاک ﷺ کی طرف سے حارث بن عمر کا خط لے کر شاہ بصریٰ یا قیصر روم کی طرف جانا اور اسے بلقا کے رئیس شرجیل بن عمرو کا قتل کرنا، حارث بن عمر کے قصاص کے لیے حضور ﷺ کا تین ہزار کا دستہ زید بن حارثہؓ کی سپہ سالاری میں شام کی طرف روانہ کرنا، نیز حضرت زیدؓ، حضرت جعفرؓ، حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ کی شہادت، حضرت خالدؓ کے سردار بننے اور مختصراً غزوہ کا بیان مذکور ہے۔ آخر میں ماتم سے منع کرنے سے متعلق فرمان نبوی ﷺ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

14۔ ''فتح مکہ رمضان 8ھ مطابق جنوری 630ھ''۔ مولانا شبلی نعمانی نے اپنے خاص منہج واسلوب کے مطابق مندرجہ بالا عنوان کے تحت درج ذیل مباحث کی ہیں۔ مولانا نے شروع میں تاریخ وقوع لکھ کر قرآنی آیت فتح سے آغاز کیا ہے: إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا[42] ''ہم نے تجھ کو کھلی ہوئی فتح عنایت کی''۔ پھر تطہیر خانہ کعبہ کا فرض، صلح حدیبیہ کے تحت بنو خزاعہ کا مسلمانوں سے حلف اور ان پر قریش کا ظلم، غزوہ کا سبب، مسلم لشکر کی روانگی، ابو سفیان کا اسلام قبول کرنا، امن عام، مکہ میں داخلہ، کعبہ کی تطہیر، خطبہ فتح، خطبہ کے اصول مطالب، جباران قریش کی معافی، خانہ کعبہ میں نماز، خواتین قریش بالخصوص ہند سے بیعت، اشتہاریان قتل، بیشتر کی معافی، روایات پر تنقید، فتح مکہ اور بت شکنی، اطراف کے بتکدوں کی شکست اور کچھ دیگر معاملات پر بحث کی گئی ہے۔ مزید یہ کہ حاشیہ میں روایات کے حوالہ جات بھی مذکور ہیں۔

15۔ ''ہوازن وثقیف غزوہ حنین، اوطاس، طائف شوال 8ھ''۔ اوپر کے عنوان کے ذیل میں مولانا نے اپنے مخصوص انداز ومنہج میں تفصیلات رقم کی ہیں۔ قرآن پاک کی آیت: وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ[43] ''اور حنین کے دن جب خوش ہوئے تم اپنی کثرت پر''۔ سے ابتداء کی ہے، پھر حنین کا جغرافیہ اور ہوازن قبیلہ کے تعارف کے بعد جنگ کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ مؤلف کے بیان کردہ جغرافیہ حنین پر تنقید بھی ہوئی ہے، جس کی تفصیل حاشیہ میں مذکور ہے، اس کے بعد ''اوطاس' اور ''محاصرہ طائف'' کا الگ الگ ضمنی عنوانات کے تحت ذکر کیا گیا ہے، پھر ''تقسیم غنائم'' پر روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں ''واقعات

متفرقہ" کے تحت حضور ﷺ کے بیٹے ابراہیمؓ اور بیٹی زینبؓ کے انتقال اور سورج گرہن پر روشنی ڈالی گئی ہے، نیز روایات کے حوالہ جات حاشیہ میں مذکور ہیں۔

16۔ "9ھ واقعہ ایلاء تخییر و غزوہ تبوک"۔ مولانا نے مذکورہ عنوان کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ان کے ذیل میں متعلقہ مباحث کیں ہیں:1۔ "واقعہ ایلاء و تخییر" کے تحت مفصل کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے روایات کی تنقید و تنقیح کی گئی ہے، پھر امہات المؤمنینؓ کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے اور نبی پاک ﷺ کا شہد نہ کھانے کی قسم کا ذکر ہے۔ اس ضمن میں قرآن کی آیت پیش کی گئی ہے کہ: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ[44] "اے نبی! اپنی بیویوں کی خوشی کے لیے تم اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیوں کرتے ہو؟"۔ اس کے بعد حضور ﷺ کا ایک ماہ تک ازدواج مطہرات سے نہ ملنے کا عہد کرنا اور پھر آیت تخییر کے نزول کا تذکرہ کیا گیا ہے، آخر میں حضرت ماریہؓ سے متعلق راویات پہ خوب بحث کی گئی ہے اور مندرجہ بالا تمام واقعات سے متعلق روایات کی بحثیں حاشیہ میں بھی مذکور ہیں۔

17۔ "غزوہ تبوک رجب 9ھ مطابق نومبر 635ھ"۔ مولانا نے اپنے منہج خاص کے مطابق مندرجہ بالا عنوان کے تحت یہ بحثیں کی ہیں۔ غزوہ تبوک کے وقوع پذیر ہونے والی تاریخ ہجری اور عیسوی دونوں کا تذکرہ کرنے کے بعد بتایا کہ تبوک مدینہ سے چودہ منزل دور مدینہ اور دِمشق کے درمیان ایک مشہور مقام کا نام ہے، پھر فریق مخالف، اسباب غزوہ، منافقین کی حرکات، حضور ﷺ کا قبائل عرب سے فوجیں اور مال اعانت طلب کرنا، صحابہؓ کا مالی معاونت کرنا، دیگر صحابہؓ کی بے سروسامانی کا اور ان کا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر رونا، سورت توبہ میں ان کی شان میں قرآن کا نزول جیسے واقعات مذکور ہیں۔ نیز جنگ کے لیے تیاری اور روانگی، راستہ کے مختلف منازل و واقعات، جناب امیر کا حاکم مدینہ نامزد ہونا، رئیس غسان کا حضرت کعب بن مالکؓ کو خط دینا، ایلہ و دومۃ الجندل سے صلح، مسجد ضرار، حج اسلام اور اعلان براءت پر مفصل گفتگو کی گئی ہے۔ آخر میں "واقعات متفرقہ" سرخی کے ذیل میں زکوٰۃ کا حکم، غیر مسلم سے جزیہ، سود کی تحریم، نجاشی کا انتقال اور حضور ﷺ کا اس کا غائبانہ جنازہ پڑھانا وغیرہ بیان کیے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں حاشیہ میں حوالہ جات کی تفصیل دی گئی ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی نے سیرت النبی ﷺ میں غزوات کے باب کے آخری بحث بعنوان "غزوات پر دوبارہ نظر" کے تحت کیے ہیں۔ یہ ان کا یگانہ منہج ہے جو دیگر اہل سیر کے ہاں نہیں ملتا۔ اس میں انھوں نے بہت سارے موضوعات پر سیر حاصل تجزیاتی گفتگو کی ہے جن کی تفصیل ذیل کی سطور میں بیان کی جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ شروع میں کتب سیرت کو دراصل مغازی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، جیسے مغازی ابن عقبہ، مغازی ابن اسحاق اور واقدی وغیرہ۔ اس کے بعد غزوات کے اسباب و محرکات، عرب اور جنگ و غارت گری، غنیمت کے معنی و مفہوم، ثار کا عقیدہ، لوٹ کا مال اور مختلف احکام شرعی جیسے حرمت شراب کے بارے میں تدریجی احکام کی حکمت، غنیمت کے متعلق تفصیلات اور جنگ میں وحشیانہ افعال پہ بحث کی گئی ہے۔ پھر مولانا نے "غزوات نبوی ﷺ کے اسباب اور انواع" سرخی کے ذیل میں غزوات نبوی ﷺ کے اسباب اور شارع کی اختیار کردہ اصلاحیں، غزوہ و سریہ کے معنی و مفہوم اور اقسام بیان کی ہیں جو پورے سیرتی ادب میں منفرد ہے۔ محکمہ تفتیش کے قیام پر بحث کرنے کے بعد مولانا "مدافعت" سرخی کے تحت سریہ غطفان 2ھ، سریہ ابوسلمہ 2ھ، سریہ عبداللہ بن انیس بغرض قتل سفیان بن خالد 3ھ، سریہ علی بن ابی طالبؓ بطرف فدک 6ھ، سریہ بشیر بن سعد شوال 7ھ، سریہ عمرو بن العاصؓ ذات سلاسل 8ھ، غزوہ ذات الرقاع 5ھ، غزوۂ دومۃ الجندل 5ھ، غزوہ مریسیع 5ھ اور مولانا قریش کی تجارت کی روک ٹوک، بعض سرایا قبل حدیبیہ پر روشنی ڈالتے ہیں بعد اس کے امن وامان قائم

کرنا ایک علیحدہ ذیلی عنوان کے تحت سرایائے زید بن حارثہ 6ھ، دومۃ الجندل 4ھ، سیف البحر 8ھ اور غزوہ غابہ کا ذکر کیا ہے۔ بے خبری میں حملہ کرنے کا سبب، مولانا نے اس علیحدہ سرخی کے تحت غزوات و سرایا پر بحث کرتے ہوئے کچھ غزوات و سرایا پر روشنی ڈالی ہے جیسے غزوات بنو سلیم 3ھ، ذات الرقاع 4ھ، بنو لحیان 6ھ اور سرایائے عکاشہ 6ھ، علی 6ھ، عمر 7ھ، کعب 8ھ۔ پھر نئی سرخی "اشاعت اسلام" کے تحت مولانا نے ان سرایا کا تذکرہ کیا ہے، جن کا مقصد اسلام کی اشاعت تھا ان میں سریہ بئر معونہ 3ھ، سریہ مرثد 3ھ، سریہ ابن ابی العوجاء 7ھ اور سریہ کعب بن عمیر 8ھ، سریہ خالد بن ولیدؓ، سریہ علی 10ھ شامل ہیں۔ ان کے بعد مولانا نے ان سرایا کا بھی ذکر کیا ہے جن کو فتح مکہ کے بعد بت شکنی کے لیے مختلف مقامات پر روانہ کیا گیا تھا، جیسے سرایا خالد بن ولید بت خانہ عزیٰ، عمرو بن العاص بت خانہ سواع، سعد بن زید اشہلی بت خانہ منات، ابوسفیان و مغیرہ بن شعبہ بت خانہ لات، جریر بت خانہ ذی الخلصۃ، طفیل بن عمرو دوسی بت خانہ ذی الکفین، علی ابن ابی طالب بت خانہ فلس۔ مولانا شبلی نے "جنگی اصلاحات" کے تحت اسلامی نقطہ نظر پیش کیا جو سیرت میں نیا عنوان و مبحث ہے، اس کے بعد غنائم کے مسئلہ کو زیر بحث لائے اور یہ ثابت کیا کہ لڑائی عبادت بن گئی اور آخر میں فاتح اور پیغمبر ﷺ کا امتیاز، وضاحت کے ساتھ پیش کیا۔ مولانا نے سیرت النبی ﷺ میں غزوات کو بیان کرتے ہوئے جو منہج و اسلوب اختیار کیا ہے اس کے مزید کچھ نقاط درج ذیل ہیں:

1۔ ماہ و سال کا استعمال

مولانا غزوات کے بیان میں ماہ و سال کے تذکرے کو تسلسل کے ساتھ قائم نہیں رکھ سکے، کیونکہ وہ کسی جگہ صرف ہجری سن کا ذکر کرتے ہیں جیسے غزوہ احد 3ھ، جب کہ دیگر مقامات پر سن ہجری کے ساتھ مہینوں کا ذکر بھی کرتے ہیں، جیسے غزوات بدر رمضان 2ھ، سویق ذی الحجہ 2ھ، بنی قینقاع شوال 2ھ، وغیرھم۔ علاوہ اس کے کچھ غزوات میں نہ صرف قمری بلکہ شمسی ماہ و سال بھی مذکور ہیں جیسے فتح مکہ رمضان 8ھ مطابق جنوری 630ء، تبوک رجب 9ھ مطابق 9 نومبر 635ھ۔

2۔ مفصل و غیر مفصل مباحث

مولانا بعض غزوات کو تو بہت تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور اس ضمن میں قرآنی آیات، احادیث نبویہ ﷺ، تاریخی کتب، کتب مغازی، کتب سیرت سے جس قدر ممکن ہوا استفادہ کرتے ہیں اور شعراء کے کلام کو بھی پیش کرتے ہیں۔ اس طرح تفصیلاً مضامین بیان کرتے ہیں مثلاً غزوات بدر، اُحد، احزاب، خیبر، فتح مکہ، حنین، تبوک وغیرھم لیکن اس کے برعکس دوسرے غزوات کو غیر مفصل بیان کرتے ہیں جیسے غزوات سویق، قینقاع، نضیر، مصطلق، حدیبیہ و بیعت رضوان اور موتہ وغیرھم۔

3۔ غزوہ بدر پر دوبارہ نظر

مولانا نے غزوہ بدر کے بارے میں ایک علیحدہ منہج اختیار کیا ہے، وہ یہ ہے کہ انھوں نے غزوہ بدر کو بیان کرنے کے بعد "غزوہ بدر پر دوبارہ نظر" عنوان کے تحت مختلف مضامین کی محققانہ بحث کی ہے اور کوئی معاملات پر اہل سیر سے اختلاف کیا ہے اور اپنا علیحدہ نظریہ پیش کیا ہے، ذیل میں غزوہ بدر کا اصلی سبب اور ایک ضروری نکتہ دو سرخیوں کے تحت علیحدہ علیحدہ ضمنی مباحث کی ہیں۔

4۔ واقعات متفرقہ

مولانا کا یہ بھی ایک انوکھا اسلوب ہے کہ انھوں نے ہر غزوہ کے اختتام پر ایک عنوان ''واقعات متفرقہ'' قائم کیا ہے اور اس کے ذیل میں مختلف غیر معمولی واقعات جن کا وقوع اس ماہ و سال میں ہوا تھا کے بارے میں مختصراً تذکرہ کیا ہے۔ مولانا کا ایک منہج یہ بھی ہے کہ وہ غزوات کو بیان کرتے ہوئے انہی ایام میں وقوع پذیر ہونے والے دیگر کچھ غیر معمولی واقعات کو بھی موضوع بحث بناتے ہیں جیسے واقعہ افک، واقعہ ایلاء و تخییر وغیرہ۔

دیگر خصوصیات منہج

علامہ صاحب کی شخصیت ہمہ جہت اوصاف سے متصف تھی، یہی وجہ ہے کہ وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے اس کا حق ادا کر دیتے تھے۔ سیرت النبی ﷺ ان کی آخری تصنیف ہے۔ اُردو میں علامہ صاحب نے تاریخ، فلسفہ، سیاست، تعلیم اور سوانح عمریاں بھی لکھیں۔ علم الکلام، فلسفہ اور مذہب پر ان کی گہری نظر تھی وہ اپنی دقتِ نظر، لطافت خیال اور وسعت علمی سے عبارات میں بڑی دلکشی اور حرارت پیدا کر دیتے ہیں جس سے اندازِ تحریر کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔

مقابلہ و موازنہ اور ایجاز و اختصار

سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ کرنے سے ہر بات کھل کر سامنے آتی ہے۔ مولانا دلیل اور نظریے کے حق میں تقابل اور موازنہ سے بھی بڑا کام لیتے ہیں۔ خاص طور پر یورپ کے علمی کارناموں کے مقابلے میں ہندوستان کی بے حسی اور اسلام کے شاندار ماضی کے مقابلے میں مسلمانوں کی حالت غربت اور کسمپرستی کا تقابل اس عمدگی سے کرتے ہیں کہ قاری ان کے نکتہ نظر سے واقف ہو جاتا ہے۔

علامہ شبلی نعمانی کی تحریر کا خاص اسلوب ایجاز واختصار بھی ہے۔ مولانا اپنے ہم عصر دیگر سیرت نگاروں کے مقابلے میں بے جا طوالت سے گریز برتتے ہوئے ایجاز و اختصار کے ساتھ اپنا نکتہ نظر واضح کر دیتے ہیں۔ مولانا کے ایجاز واختصار کا یہ خاصہ ہے کہ وہ چند سطروں میں سہولت کے ساتھ اپنا مطلب بیان کر دیتے ہیں۔

طنز و تعریض اور شعریت و جمالیت

مولانا کی تحریروں میں طنز و تعریض پر مبنی جملے بھی موجود ہیں۔ خاص طور پر سیرت النبی ﷺ کے مقدمے میں انھوں نے مستشرقین کے بارے میں جابجا طنزیہ جملے لکھے ہیں اور ان کی پوری تاریخ اور ان کے کارناموں کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ طنزیہ فقرات کی بدولت قاری کی دلچسپی باقی رہتی ہے اور وہ اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا۔ شبلی کی تحریر میں جو دلکشی، رعنائی و گل کاری، تخیل کی رنگینی، استعارے اور کنائے، شاعرانہ الفاظ، محاورات عربی، اردو، فارسی اور شاعری کی جذبات انگیز تراکیب ان کی نثر کی زیب و زینت ہیں۔ خاص طور پر سیرت النبی ﷺ میں ولادت پاک کا باب اس کی ایسی مثال ہے کہ پڑھنے والا عش عش کر اٹھتا ہے اور الفاظ کی جذباتیت میں کھو کر فرط جذبات سے جھوم اٹھتا ہے۔ مولانا کو مکمل مہارت حاصل تھی کہ وہ تحریر کو جس انداز میں ڈھالنا چاہتے، ڈھال سکتے تھے۔ شعریت و جمالیت ان کے اسلوب و منہج کا اہم خاصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت النبی ﷺ کے انداز تحریر کو ادبیانہ اسلوب کی عکاس بھی کہا جا سکتا ہے۔

تاریخی و تنقیدی رجحان

مولانا کی تحریر کا اسلوب تاریخی بھی ہے جس میں وہ چند جملوں میں اہل یورپ کا مقصد قاری کے ذہن میں بٹھا دیتے ہیں۔ سیرت النبی ﷺ میں اس کی بہترین مثال مقدمہ سیرت ہے اور غزوات سے قبل انھوں نے اسلام میں جنگوں کی روایات کے بارے

میں بے احتیاطی برتنے والوں کے لیے جو باتیں لکھی ہیں، اس تاریخی اسلوب کی واضح مثالیں ہیں۔ علاوہ ازیں سیرت النبی ﷺ میں کئی مقامات پر اس کی جھلک واضح نظر آتی ہے۔ مولانا کی تحریر کا خاص اسلوب تنقید کرنا بھی ہے۔ انھوں نے جس بات کو حق جانا ہے اس کو واضح طور پر بیان فرمایا ہے اور دیگر معاصر و بیشتر پر تنقید بھی کی ہے، سیرت النبی ﷺ کے مقدمے میں اہل یورپ اور مستشرقین کے بارے میں کافی تنقیدی رجحان پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ غزوات کے اسباب میں بھی بعض جگہ تنقیدی رجحان واضح ہے۔

خلاصہ کلام

علامہ شبلی نعمانی سے پیشتر اور ہم عصر بہت سے اہل علم حضرات نے اسلامی علوم و فنون اور سیرت پر لکھا۔ آپ کے بعد بھی بہت کام ہوا اور تسلسل کے ساتھ جاری و ساری ہے، لیکن ایک بات تو واضح ہے کہ مولانا کے دور میں کتب تک اتنی رسائی نہیں تھی اور حالات ایسے ساز گار نہیں تھے جیسے اب ہیں۔ مولانا کا بعض کتب کے بارے میں اپنی زندگی میں اشتیاق رہا کہ وہ ان کو میسر ہوں لیکن شومیٔ قسمت کہ میسر نہ ہو سکیں، جب کہ اب پورے پورے کتب خانے انٹر نیٹ پر پڑے ہیں اور جدید ڈیجیٹل لائبریریاں آگئی ہیں۔ کئی ایسی ویب سائٹس ہیں جن کے ذریعے سے اب آپ گھر بیٹھے یورپ کی لائبریریوں سے استفادہ کر سکتے ہیں اور اب جب کہ جدید پرنٹنگ کا دور ہے مولانا کے زمانے میں یہ تمام سہولیات میسر نہ تھیں لیکن اس کے باوجود مولانا شبلی نعمانی نے جو کام کیا اور جو اسلوب اور انداز تحریر اپنایا، فقید المثال ہے۔ نئے لکھنے والے ان کے اسلوب سے ہمیشہ مستفید ہوتے رہیں گے۔

References

[1] Ṣiddīquī, Dr. Muḥammad Yasīn Maẓhar, *Maṣādar e Sīrat e Nabwī* (Lāhore: Kitāb Sarāy, 2016), 2: 526.

[2] Faḥad,ʿObaīdullah Falāhī, *Ḥindustān Mein Urdu Sīrat Nigārī* (Lāhore: Dār Al-Nawādir, Kitāb Sarāy, 2019), 74.

[3]Maḥnāma Tamīr-e-Afkār,*Fan-e-Sīrat aūr ʿUlum-e-Sīrat* (Karāchī: Zawār Academī Publīcations, 2018), 1,2/19: 205.

[4] Tamīr-e-Afkār,*Fan-e-Sīrat*, 205.

[5] Tamīr-e-Afkār,*Fan-e-Sīrat*, 533.

[6] Tamīr-e-Afkār,*Fan-e-Sīrat*, 535.

[7]Nadvī, Sayyid Sulaimān, *Hayāt-e-Shiblī* (Āẓamgarḥ: Dār Al-Muṣnafīn, Shiblī Academī May, 2008), 554.

[8] Ṣiddīquī, *Maṣādar e Sīrat e Nabwī*,535 .

[9] Għāzī, Dr. Maḥmūd Aḥmad, *Muḥāẓarāt-e-Sīrat* (Lāḥore: Maktaba Al-Faiṣal Publīshers, 2017), 553-554 .

[10] Nadvī, *Ḥayāt-e-Shiblī*, 554.

[11] Faḥad,*Ḥindustān Mein Urdu Sīrat Nigārī*,43 .

[12]'Allamah Shiblī Nu'mānī; Sayyid Sulaimān, *Sīrat-un-Nabī* (Lāḥore: Shama Book Agencī,S.N), 1:21.

[13] Al-Nishāpūrī, Muḥammad Bin ʿAbdullaḥ, *Al-Mustadrik Lil Ḥākim*,(Lāḥore: Shabīr Brothers, 2010) 3: 782.

[14] Shiblī, *Sīrat-un-Nabī*,21 .

[15] Ṣiddīquī, *Maṣādar e Sīrat e Nabwī*,558 .

[16] Ṣiddīquī, *Maṣādar e Sīrat e Nabwī*,558 .
[17]Sheikh Muḥammad Akram, *Yadgār Shībli* (Lāḥore: Idāraḥ Thaqāfat-e-Islāmīyaḥ, 1971), 436.
[18] Muḥammad Akram, *Yadgār Shībli*,436 .
[19] Bilyāwā, ʿAbdul Ḥafīẓ, *Al-Munajjid* (Lāḥore: Zīā-al-Qurān Publīshers, 2003), 608.
[20] Kalīm Mahmūd Ahmad Ẓafar,Paighambar-e-Islām aūr Ghazwāt-o-Sirāya (Lāḥore, Nashriyāt Al-Ḥamad Markīt, 2014), 39.
[21] Shiblī, *Sīrat-un-Nabī*,262 .
[22]Al-Azḥarī, Muḥammad Karam Shaḥ, *Ẓīā-un-Nabī*(Lāḥore: Ẓīā-Al-Qurān Publīshers, 2003), 260.
[23] Ibn-e-Kathīr, Abū Al-Fidaʾ Emād-ud-Dīn, Sīrat Ibn-e-Kathīr, Deḥlī, Maktaba Al-ʾIlamī, 2006), 2: 352.
[24] Shiblī, *Sīrat-un-Nabī*,262 .
[25] Shiblī, *Sīrat-un-Nabī*,64 .
[26] Shiblī, *Sīrat-un-Nabī*,149.
[27] Shiblī, *Sīrat-un-Nabī*,149.
[28] Abū Dā'ūd,*Sunan Abū Dā'ūd*(Lāḥore: Ẓīā-Al-Qurā'n Publīshers,2012),2:416.
[29] Abū Dā'ūd,*Sunan Abū Dā'ūd*, 2: 416.
[30] Al-Ḥajj, 22:39.
[31] Al-Baqaraḥ, 2: 190.
[32] Shiblī, *Sīrat-un-Nabī*,152.
[33] Ṭabarī, Muḥammad Bin Jarīr, *Tarīkh-al-ʾUmm Wa al-Mulūk* (Karāchī, Nafīs Academī, 2004) 2: 122.
[34] Shiblī, *Sīrat-un-Nabī*,152.
[35] 'Ali `Imrān,3:123.
[36] Gḥāzī, *Muḥāẓarāt-e-Sīrat*,555.
[37] 'Ali `Imrān,3:139.
[38] Al- Ḥajj, 22:75.
[39] Al- Ḥajj, 22:75.
[40] Al-Fatḥ,48:1.
[41] An-Naḥl,16:125.
[42] Al-Fatḥ,48:1.
[43] Al-Tawbaḥ,9:25.
[44] Al-Taḥrīm,66:1.